www.wadi-e-urdu.com

میرے بھائی جان

ریحانہ لطیف

ہم تین بہنیں اور ایک بھائی تھے۔ ایک بہن جن کا نام خورشید تھا بھائی جان سے بڑی تھیں۔ دو بہنیں غفیرہ مرحومہ اور میں بھائی جان سے چھوٹی تھیں۔ ہم سب بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی۔ ہم میں سے اگر کسی کو معمولی سی تکلیف ہوتی تو باقی سب اس تکلیف کو اپنے اُوپر محسوس کرتے۔ یہ ہماری والدہ محترمہ کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہم آپس میں اس قدر متحد و متفق تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔

ہمارا تعلق خاص الٰہ آباد سے نہیں بلکہ الٰہ آباد کے قریبی گاؤں "نارا" سے ہے۔ ہمارا گھرانہ شروع ہی سے علمی و ادبی رہا ہے۔ میری والدہ عربی، فارسی اور ہندی میں بھی دسترس رکھتی تھیں میری والدہ کے نانا حکیم تھے۔ انھوں نے حکمت سے متعلق کئی ضخیم کتب لکھیں جو آج بھی ہندوستان میں طب کے طلباء کے کورس میں شامل ہیں۔ میرے نانا اپنے وقت کے کامیاب وکیل تھے اور میرے والد کے دادا بھی بہت تجربہ کار حکیم تھے۔ اُن کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ایک خاتون بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ اُن کو دیکھتے ہی دادا نے کہا تم سبزی کاٹ رہی ہو حالانکہ تم مرنے والی ہو۔ وہ خاتون یہ سُن کر ہنس پڑیں۔ وہ سمجھیں کہ بڑے میاں کا دماغ چل گیا ہے لیکن حقیقتاً چند گھنٹوں بعد اُن کا انتقال ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد لوگ انھیں جادوگر سمجھنے لگے تھے۔ میرے دادا مولوی عبدالفتاح ریاست گوالیار میں درس و تدریس کے شعبے سے منسلک تھے اُن کے بے شمار شاگرد پاک و ہند میں آج بھی موجود ہیں۔

بھائی جان کو یہ ذہانت ورثے میں ملی تھی۔ ہماری دادی اپنی اولاد میں سب سے زیادہ میرے ابا کو عزیز رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم لوگوں سے بہت ہی محبت کرتی تھیں۔ بھائی جان نے پرائمری تک تعلیم نارا میں ہی حاصل کی تھی۔ وہاں کوئی ہائی اسکول نہ تھا اس لیے امّاں نے الٰہ آباد ہی میں سکونت اختیار کی حالانکہ اس دور میں کسی بھی خاتون کے لیے یہ بہت مشکل کام تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ تنہا کسی اجنبی جگہ سکونت اختیار کرے لیکن ہماری امّاں بڑی ہی باحوصلہ خاتون تھیں۔ والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں کبھی ایک جگہ جم کر نہ رہ سکے۔ یہ امّاں ہی کی ہمت تھی جو انھوں نے بھائی جان کی تعلیم کا بیڑا اُٹھایا اور تنہا ماں، باپ دونوں کے فرائض انجام دیے۔ بھائی جان نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں نظمیں اور کہانیاں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ بمبئی سے ایک رسالہ "آئینہ" شائع ہوتا تھا اُس میں بھائی جان کی نظمیں اور کہانیاں چھپتی تھیں۔ بہت سے لوگوں کو خیال تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں شعر و شاعری کے چکّر میں پڑ کر تعلیم ادھوری رہ جائے گی لیکن بھائی جان نے یہ خیال غلط ثابت کر دکھایا۔

بمبئی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر دیولالی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں میرے والد بغرض ملازمت دیولالی میں مقیم تھے۔ انھی دنوں مجھ سے بڑی اور بھائی جان سے چھوٹی بہن غفیرہ بیمار ہو گئیں۔ ڈاکٹروں نے تبدیلیِ آب و ہوا کا مشورہ دیا۔ جب ابا کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خود آ کر ہم لوگوں کو دیولالی لے گئے۔ بھائی جان ہمارے ساتھ نہ جا سکے کیونکہ اُن کے امتحان ہونے والے تھے۔ میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی اس لیے میں نے بھائی جان سے جُدائی کو زیادہ محسوس نہ کیا لیکن باجی بہت ہی پریشان رہتیں۔ ہر وقت بھائی جان ہی کی باتیں کرتی رہتیں۔ انھی دنوں باجی نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہے وہاں بھائی جان بھی ہیں۔ اسی ہجوم میں سے ایک بزرگ شخصیت آگے بڑھی۔ اُن کے ہاتھوں میں ایک تاج ہے جسے انھوں نے بھائی جان کے سر پہ رکھ دیا۔ اُس وقت اُن کا خواب سُن کر سب ہنس پڑے لیکن جب جاسوسی دُنیا اور عمران سیریز نے نہ صرف پاک و ہند بلکہ دیگر ممالک میں دھوم مچا دی تب باجی کے خواب کی تعبیر مل گئی مگر افسوس کے باجی اس سے بہت پہلے ہی

لہ کو پیاری ہو گئیں۔

دیولالی میں ہم جس مکان میں مقیم تھے اسے چار حصّوں میں منقسم کر کے چار کرایہ دار رہتے تھے۔ اسی میں ایک مدراسی خاندان بھی تھا۔ باجی ہی کی طرح میں بھی اپنے بھائی جان کے قصیدے پڑھا کرتی تھی۔ مدراسی خاندان کے سربراہ جو فوج میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے میں نے انھیں بتایا کہ میرے بھائی جان شاعر ہیں۔ جب بھائی جان گرمیوں کی چھٹیوں میں دیولالی آئے تو وہ مدراسی صاحب جنھیں میں چچا کہتی تھی انھوں نے مجھے سرو کی ایک شاخ دی اور کہا کہ تمھارے بھائی جان اس شاخ پر نظم لکھیں تو میں انھیں شاعر مان لوں گا اور جب میں سرو کی وہ شاخ لے کر گھر آئی تو بہت ہی پریشان تھی کہ پتا نہیں بھائی جان اس پر نظم بھی لکھ سکیں گے یا مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ بہرحال میں نے وہ شاخ بھائی جان کو دی اور سارا احوال کہہ سنایا اور بہت ہی ملتجی انداز میں اصرار کیا کہ آپ اس شاخ پر ضرور کچھ نہ کچھ لکھیں ورنہ چچا سمجھیں گے کہ میں نے آپ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔ بھائی جان نے میری بات سُنی ان سُنی کر دی۔ میں بہت ہی جز بز ہوئی کہ اب میرا مذاق اڑے گا اور یہ سوچ کر میں بہت اُداس ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے بھائی جان سے بالکل بات نہ کی لیکن میری خوشی کی انتہا نہ رہی، جب دوسری صبح بھائی جان نے مجھے نظم پکڑاتے ہوئے کہا کہ آئندہ کسی سے اس قسم کی باتیں نہ کروں۔

بھائی جان اپنی چھٹیاں گزار کر واپس الٰہ آباد چلے گئے۔ جب تک بھائی جان ہمارے ساتھ رہے باجی کی صحت بہت اچھی ہو گئی لیکن بھائی جان سے جُدا ہوتے ہی مرض نے ان پر دوبارہ حملہ کر دیا جو جان لیوا ثابت ہُوا۔ ان کے انتقال کے بعد ابّا نے مجھے اور امّاں کو جلد ہی الٰہ آباد پہنچا دیا اور میں نے گھر میں جگہ جگہ ایک ہی شعر لکھا دیکھا

اُداس اُداس فضاؤں میں چاندنی صدحیف
دمک رہا ہو کسی لاش پر کفن جیسے ! !

الٰہ آباد میں ایک روزنامہ غالباً اُس کا نام "نیا دور" تھا اُس میں بھائی جان طفرل فرغان کے نام سے ایک طنزیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ اس کالم کا مستقل عنوان "پوسٹ مارٹم" تھا۔ پورے شہر میں اس کالم نگار کا چرچا تھا۔ لوگ اس شخصیت کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جو اتنی بے باکی اور جرأت سے حکومت پر طنزیہ کالم لکھتا تھا لیکن طفرل فرغان سے صرف اُس کی ماں، بہن واقف تھیں۔ جب میری سہیلیاں طفرل فرغان کی شان میں قصیدے پڑھتیں تو میرا دل خوشی سے جھوم جاتا۔ وہ بحیثیت طفرل فرغان کی بہن کے مجھے نہیں جانتی تھیں۔

بھائی جان کے قریبی احباب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے۔ بھائی جان غصّے کو ضبط کرنے کے فن سے واقف تھے ایک بار کسی بات پر مجھے ڈانٹ دیا۔ میں چونکہ اُن سے بہت چھوٹی تھی اس لیے اُن کا ادب و احترام اسی طرح کرتی تھی جس طرح والد صاحب کا کرتی تھی۔ اور شاید بھائی جان بھی مجھ پر زندگی میں پہلی اور آخری بار ناراض ہوئے تھے۔ مجھے بہت ہی دُکھ ہُوا۔ بھائی جان کو میری اُداسی کا جلد ہی احساس ہو گیا اور اُنھوں نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگی اور میں احساسِ شرمندگی سے مغلوب ہو کر رو پڑی۔

میں اُس وقت بڑی حیران ہوتی جب یہ دیکھتی کہ بھائی جان سے بڑی عمر کے لوگ بھائی جان کو اسرار بھائی کہہ کر مخاطب کرتے۔ اس کا سب سے بڑا سبب وہ ادب و احترام تھا جو بھائی جان کی ذات کا خاصہ تھا۔ وہ ہر ایک کا حدِ درجہ احترام کرتے خواہ وہ دودھ والا یا سبزی والا ہی کیوں نہ ہو اور وہ لوگ خلوص و محبت کے اظہار کے طور پر انھیں اسرار بھائی کہتے تھے۔ چھوٹے بڑے سب ہی اُن سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

بھائی جان کو شکار کا شوق زمانۂ طالب علمی ہی سے تھا اس بارے میں بھائی جان نے خود بڑا دلچسپ واقعہ سُنایا کہ ایک بار دسہرہ کی چھٹیوں میں وہ دادی کے پاس نارا چلے گئے۔ وہاں اپنے ایک کلاس فیلو کے ہمراہ شکار کا پروگرام بنا کر نکل کھڑے ہوئے۔ جاتے ہوئے دادی نے تاکید کی کہ مغرب سے پہلے واپس آجانا لیکن واپسی میں تاخیر ہوئی اور عشاء کا وقت ہو گیا اور یہ بھی عجب اتفاق تھا کہ اُس دن ایک بھی پرندہ شکار نہ کر سکے بھائی جان کو اچھی طرح علم تھا کہ دادی سے زبردست ڈانٹ پڑے گی اور ہُوا بھی یہی۔ بھائی جان مسکین صورت بنائے کھڑے رہے اور جیسے ہی وہ سانس لینے کے لیے رُکیں فوراً ہی اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کے لیے بولے کہ بس آج تو اللہ نے ہماری جان بچا لی۔ بھائی جان نے کسی قدر خوف زدہ ہو کر بتایا کہ ہم نے بہت سے پرندے شکار کیے اور جب گھر آنے لگے تو ذبح کیے ہوئے سارے پرندے پھڑپھڑا کر اُڑ گئے۔ میری اور میرے ساتھی کی خوف سے بُری حالت تھی۔ اتنا سُننا تھا کہ دادی کا سارا غصّہ فرو ہو گیا۔ بے چاری فوراً صدقہ خیرات میں لگ گئیں۔

۱۹۴۷ء میں والد صاحب بمبئی سے کراچی منتقل ہو گئے اس وقت بمبئی سے آنے والی ٹرینیں الہ آباد میں پولیس کے پہرے میں دُھلوائی جاتی تھیں۔ ان حالات میں نہ ہم ابّا کے پاس پہنچ سکتے تھے اور نہ ابّا ہمارے پاس الہ آباد۔

بھائی جان کا کبھی کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ان دنوں جو خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی اُسے مذہبی رنگ دیا جا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دوران میں بہت سے لوگ کمیونزم کی طرف راغب ہو گئے۔ اگرچہ بھائی جان باقاعدہ اس پارٹی سے منسلک نہ تھے لیکن ان لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا زیادہ تھا۔

۱۹۵۲ء میں ابّا ہمیں پاکستان لانے کے لیے الہ آباد آئے اُن دنوں بڑی بہن جنھیں ہم سب بہن بھائی بڑی آپا جان کہتے تھے اُن کی بیٹی ہمارے پاس تھی جبکہ اس کی اصل رہائش بارہ بنکی میں تھی۔ جب ہماری روانگی میں تین چار روز رہ گئے تو بھائی جان اُسے پہنچانے بارہ بنکی گئے۔ حسن منزل میں ایک ایسے صاحب بھی رہتے تھے جن کا تعلق سی۔ آئی۔ ڈی سے تھا اُن دِنوں بڑے پیمانے پر کمیونسٹوں کی گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ عجب اتفاق تھا کہ وہ صاحب بھائی جان کی عدم موجودگی میں بارہا بھائی جان سے ملنے آئے اُن کی بار بار آمد ہم سب کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ ہم سے زیادہ بھائی جان کے احباب اور اُن کے شاگرد پریشان تھے۔ اُس وقت ذہن میں اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ بھائی جان بھی پولیس والوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جس دِن بھائی جان کو الہ آباد واپس آنا تھا صبح سے اُن کے چاہنے والے گھر اور اسٹیشن کے درمیانی راستے پر پھیل گئے اور جیسے ہی بھائی جان الہ آباد اسٹیشن پر اُترے انھیں حسن منزل لانے کی بجائے بڑی ہی رازداری سے ایک صاحب اپنے گھر لے گئے۔ بھائی جان اپنی جگہ حیران کہ آخر چکر کیا ہے؟ بہرحال اُن کے مدّاحوں نے اپنے خیال میں انھیں محفوظ جگہ پہنچا دینے کے بعد اصل صورتِ حال سے بھائی جان کو آگاہ کیا۔ اُن صاحبان کا پروگرام یہ تھا کہ جب ہم لوگ اسٹیشن پہنچ جائیں گے تو گاڑی کی روانگی سے کچھ عرصہ پہلے بھائی جان کو اسٹیشن پہنچا دیا جائے گا۔

بھائی جان نے اُن کے جذبے اور محبّت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چوروں کی طرح چھُپ کر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور حسن منزل آ گئے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے جن صاحب کو بھائی جان کی تلاش تھی وہ بھی فوراً آ گئے۔ بھائی جان نے اُن کو دیکھتے ہی کہا میں تو یہاں سے جا ہی رہا ہوں پھر مجھے گرفتار کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اب اُن صاحب کے متحیّر ہونے کی باری تھی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑے اور بولے مجھے تمھاری تلاش تھی کہ میں یہ مکان کرایے پر لینا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ تمھارا سامان یہاں سے نکلے میں اس پر قابض ہونا چاہتا ہوں۔

بہرحال اگر بھائی جان خُفیہ طریقے سے روانگی پر تیار ہو جاتے تو الہ آباد کے در و دیوار خلوص و محبّت کے ان مناظر سے محروم رہ جاتے جو بھائی جان کی روانگی کے وقت نظر آئے۔ . . . پلیٹ فارم پر جہاں تک نظر جاتی اسرار ناروی کے چاہنے والے نظر آتے تھے جن میں بھائی جان کے احباب و شاگرد دونوں ہی شامل تھے۔ پاکستان آنے سے قبل بھائی جان یادگار حسینی اسکول میں ٹیچر تھے۔ لمبا سفر وہ بھی ہجرت، سامان بے تحاشا تھا قلی سامان کی طرف لپکے لیکن بھائی جان کے شاگردوں نے انھیں سامان کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیا۔ منع کرنے کے باوجود خود ہی سارا سامان ٹرین پر چڑھایا۔ وہاں پر موجود لوگ اس قدر پُرجوش روانگی دیکھ کر سمجھے کہ ہم لوگ حج کرنے جا رہے ہیں اُس زمانے میں ہندوستان کے کسی بھی گوشے سے حاجی براستہ الہ آباد بمبئی جاتے تھے۔ ٹرین کے ذریعے ہم نے بمبئی تک سفر کیا اس کے بعد کراچی پہنچنے کے لیے سمندری سفر شروع کیا۔ جب ہم پاکستان کے لیے روانہ ہوئے تو بھائی جان جاسوسی دُنیا کا ناول "مصنوعی ناک" لکھ رہے تھے۔ جتنا لکھ چکے تھے عباس حسینی صاحب کو دے آئے تھے باقی یہاں سے بھیجنا تھا بھائی جان نے کاغذ، قلم ہمراہ رکھا کہ ڈھائی دن کے سفر میں بقیہ ناول بھی مکمل ہو جائے گا۔ جب تک جہاز حرکت میں نہیں آیا سارے ہی مسافر چہکتے پھر رہے تھے۔ میں اور بھائی جان بھی عرشے پر کھڑے دُور تک پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ رہے تھے لیکن جہاز کے حرکت میں آتے ہی مسافروں کی حالت غیر ہونے لگی۔ چونکہ وہ مُون سُون کا موسم تھا ظاہر ہے ان حالات میں کچھ لکھنا ناممکن تھا اسی وجہ سے مسوّدہ مقررہ وقت پر الہ آباد نہ جا سکا۔

بھائی جان عموماً رات کو لکھتے تھے۔ اکثر پوری رات لکھتے رہ جاتے کبھی ایک ہی نشست میں آٹھ، دس صفحے لکھ لیتے اور کبھی تین، چار لائنوں سے آگے نہ بڑھتے اور جب ایسا ہوتا تو میں بہت جھلّاتی اس لیے کہ بھائی جان لکھتے جاتے اور میں پڑھتی جاتی تھی۔ جب تک میری شادی نہیں ہوئی میں نے چھپا ہوا ناول نہیں پڑھا۔ ہمیشہ مسوّدہ ہی پڑھتی تھی۔

میری بیٹی عفت ڈیڑھ سال کی تھی۔ ٹھیک سے بولتی بھی نہیں تھی۔ اُن دِنوں بھائی جان جو ناول لکھ رہے تھے اُس کے نام کے سلسلے میں پریشان تھے۔ عفت کو گود میں لے کر اُس سے کہتے بیٹا تم ہی بتاؤ میں کیا نام رکھوں؟ بھائی جان اور بھی باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران عفت نے بولنے کی کوشش میں پتا نہیں کیا کہا کہ بھائی جان اُچھل پڑے۔ واہ کیا نام بتایا ہے۔ میں نے کہا سے بھائی جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگے اس نے لولی لا بتایا ہے اور پھر وہ ناول لولی لاہی کے نام سے متعارف ہُوا۔

بھائی جان ہمیشہ یہی کہتے میں جو کچھ بھی ہُوں اپنی ماں کی جُوتیوں کے طفیل ہُوں۔ اور ایک بار میں اُن کے اس جملے کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ چکی ہُوں۔ اماں میرے یہاں آئی ہوئی تھیں۔ بھائی جان مصروفیت کی وجہ سے پندرہ دِن اُن سے ملنے نہ آسکے۔ اماں نے ناراضگی سے کہا کہ ہاں بھئی تم ابنِ صفی ہو۔ پوری دُنیا میں تمھاری شہرت ہے۔ اماں کا جُملہ ختم ہونے سے قبل ہی بھائی جان نے اماں کی چپل اُٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ یہ ماں سے اُن کی بے پناہ محبت کا مظاہرہ تھا جو میں نے دیکھا۔

اماں کئی سال بیمار رہیں۔ اُن کے ایک پیر کی رگیں ڈاکٹری تشخیص کے مطابق سُکڑ گئی تھیں اور وہ بغیر سہارے کے چل نہیں سکتی تھیں۔ ان کی رفع حاجت کے لیے اُن کے پلنگ کے ساتھ ہی کموڈ لگا ہُوا تھا۔ میں نے اکثر بھائی جان کو اس کموڈ کی صفائی کرتے دیکھا ہے۔

بھائی جان تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے بچّوں کی تربیت کے بارے میں بڑے ہی مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ وہ بچّوں کو مارنے کے سخت خلاف تھے۔ وہ سخت تنبیہ کے قائل تھے۔ ایک بار کہنے لگے کہ بچّوں کو اسکول جاتے وقت پیسے دیتی ہو۔ میں نے کہا جی ہاں! فوراً کہنے لگے یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ میں نے انھیں بتایا کہ پہلے میں اسکول لے جانے کے لیے بچّوں کو پیسے نہیں دیتی تھی۔ بچّے اکثر مختلف باتیں کرتے جس سے مجھے یہ محسوس ہُوا کہ بچّے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے چنانچہ میں بچّوں کو اسکول جاتے وقت پیسے دینے لگی مگر اس تاکید کے ساتھ کہ اسکول میں خرچ نہ کریں۔ جب اسکول سے واپس آئیں پھر جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ میرا جواب سُن کر مُسکراتے ہوئے کہا میں یہ تو بھُول ہی گیا تھا کہ ہم دونوں ایک ہی ماں کے تربیت یافتہ ہیں۔

وہ جو کہتے ہیں دِل کو دِل سے راہ ہوتی ہے مجھے اس کا تجربہ ہے۔ جب بھی کبھی میں پریشان ہوتی بھائی جان فوراً پہنچ جاتے اور مجھے حیرت ہوتی۔ میں اکثر بھائی جان سے کہتی آپ ہندوستان گھُوم آئیں۔ وہ ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے اُس اذیت میں دوبارہ پڑنا نہیں چاہتا جس سے ایک بار گزر چکا ہُوں لیکن اپنی بیماری میں کہا کرتے مجھے میں صحت یاب ہو جاؤں تو ایک بار نارا ضرور جاؤں گا۔ جب بھی میرے یہاں آتے نارا ہی کی باتیں کرتے۔

بھائی جان کے انتقال پر مختلف اخبارات میں جو کچھ شائع ہُوا اس میں اکثر غلط بیانی تھی۔ بھائی جان کا کوئی بھائی ہوتا تو وہ اُسی وقت تصحیح کر دیتا۔ اب جبکہ مشتاق بھائی کے اصرار پر میں نے قلم اُٹھایا ہی ہے تو کیوں نہ بھائی جان سے متعلق ان غلط فہمیوں کو دُور کر دوں۔

روزنامہ مشرق میں بھائی جان کو نوح ناروی کا نواسہ اور شاگرد بتایا گیا ہے جبکہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ نوح ناروی رشتے میں ہمارے ماموں ضرور تھے لیکن وہ بھائی جان کے اُستاد نہ تھے۔ بھائی جان نے تو اپنے نام میں "ناروی" لکھنا اسی لیے چھوڑ دیا تھا کہ اکثر لوگ بھائی جان سے یہ سوال کرتے کہ نوح ناروی سے آپ کا کیا رشتہ ہے اُن کی خودداری اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کسی اور کے توسّط سے پہچانے جائیں۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں بھائی جان کو دو بہنوں کا بھائی بتایا گیا ہے جبکہ وہ ہم تین بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔

یہ تھے میرے عظیم بھائی جان جو واقعی فادر ہارڈ اسٹون تھے اور جنھیں دُنیا ابنِ صفی کے نام سے جانتی ہے جن کے تقریباً تین سو ناول اُن کی خداداد صلاحیتوں اور ذہنی کاوشوں کا مُنہ بولتا ثبوت ہیں۔ آج کا قاری بھی اُن کا ناول ایک ہی نشست میں ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کمال کسی اور مصنف کو حاصل نہیں۔ ریڈیو پاکستان کے پروگرام "جہاں کوئی نہ ہو" میں بھائی جان کا کہا ہُوا یہ فقرہ آج بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہے۔

"میں سب کو چھوڑ کر تو چلا جاؤں گا لیکن یاد سب آئیں گے۔"